

قبولیت دعا کے طریق

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؑ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ مارچ ۱۹۶۱ء میں تشهد تعوذ و سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی تلاوت کی و اذاسائیک عبادی عنی فانی فریب۔ اُجیب دعوۃ الداع اذَا دعَانِ فَلَیْسْتَ جِیبُوا لِی وَلَیُؤْمِنُوا بِی لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ (البقرہ: ۱۸)

”میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں بیان کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تو میں دی تو میں اس امر کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کو دعا کس رنگ اور کس طریق میں کرنی چاہئے جس کے نتیجے میں قبولیت کا وہ زیادہ امیدوار ہو۔ اور وہ کیا شرائط ہونے چاہئیں جنکے مطابق کی ہوئی دعا خدا تعالیٰ کے حضور قبول ہو جائے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم اس کی رعایا۔ کسی کی درخواست اور عرضی کو قبول کرنا بادشاہ کا اپنا کام ہے رعایا کا نہ یہ فرض ہے نہ کام ہے اور نہ حق ہے کہ بادشاہ یا حاکم ضرور ہی اس کی درخواست کو قبول کرے۔ اگر وہ ہربات کو قبول کرے اور ضرور قبول کرے تو گویا وہ نوکر ہوا اور رعایا آقا۔ وہ خادم ہوا اور رعایا مخدوم۔ کیونکہ جو کسی کی ہر ایک بات ماننے کے لئے مجبور ہوتا ہے وہ آقا نہیں بلکہ خادم ہوتا ہے۔ آقا خادم کی بات ماننے کے لئے مجبور نہیں ہوتا بلکہ مختار ہوتا ہے۔ اس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ چاہے تو قبول کرے اس کے لئے وہ مجبور نہیں ہوتا۔ اور چاہے تو درکردے اس سے اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نہ صرف آقا ہے اور ہم خادم بلکہ وہ مالک ہے اور ہم غلام۔ پھر وہ خالق ہے اور ہم مخلوق۔ تو جبکہ خادم اور آقا کا تعلق بھی ایسا نازک ہوتا ہے کہ خادم کو کبھی یہ امید نہیں ہو سکتی کہ میرا آقا تیری ہر ایک بات کو ضرور ہی مان لے گا تو ایک انسان کس طرح خیال کر سکتا ہے کہ اس کی ہر ایک بات خدا تعالیٰ کو قبول کر لینی چاہئے۔ اگر کوئی خادم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ہر ایک بات اس کا آقامان لیتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ خادم کو ہمیشہ خدمت کے مقام پر کھڑا رہنا چاہئے اور اپنے رویہ طریق اور خیالات کو اسی حد میں محدود رکھنا چاہئے جو اس کی خادمیت کے مناسب ہے، نہ کہ آقا بننا چاہئے۔

خدا تعالیٰ ہر دعا قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے

پس کسی کا یہ امید کرنا یا ایسا خیال کرنا کہ اگر میری تمام دعا میں خدا قبول کرے اور کسی کو روز نہ کرے تب خدا، خدا ہو سکتا ہے ورنہ نہیں اس طرح کی بات ہے کہ گویا نعوذ باللہ وہ انسان خدا ہے اور خدا اس کا بندہ۔ یہ آقا ہے اور وہ خادم۔ یہ مالک ہے اور وہ غلام۔ کیونکہ جو کسی کی ہر ایک بات ماننے کے لئے مجبور ہوتا ہے وہ بندہ اور غلام ہوتا ہے نہ کہ منوانے والا خادم اور غلام۔ تو یہ امید کرنا ہی باطل ہے کہ میری تمام کی تمام دعا میں قبول ہو جانی چاہئیں۔ یہ خیال کوئی جاہل سے جاہل اور نادان سے نادان انسان تو کرے ورنہ دانا نہیں کر سکتا۔ گواج کل کے مسلمانوں میں سے بعض اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ بعض لوگ جو مجھے دعا کے لئے لکھتے ہیں انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ انشاء اللہ دعا کی جائے گی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک کام نہیں ہوا، معلوم ہوتا ہے آپ نے دعائیں کی، اب آپ ضرور دعا کریں۔ ہم لکھتے ہیں ہمارا کام دعا کرنا ہے وہ کرتے ہیں۔ آگے کام کرنا خدا کے اختیار میں ہے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا۔ آپ تو جو چاہیں خدا سے منو سکتے ہیں۔ پس ہمارا یہ کام بھی کروادیجھے۔ تو اس قسم کے خیالات ہیں آج کل کے مسلمانوں کے جواب جہالت کا نتیجہ ہیں جو ان میں پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے کسی کے بزرگ ہونے کے یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھی بزرگ ہے، جو چاہے کرو سکتا ہے۔ حالانکہ بزرگ کے اصل معنے یہ نہیں کہ وہ لوگوں میں سے بزرگ ہے جیسے کہتے ہیں کہ باپ کا بزرگ بیٹا یعنی سب سے بڑا بیٹا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوا کرتے کہ وہ اپنے باپ سے بھی بزرگ ہے۔ بلکہ یہ کہ دوسرا بھائیوں سے بزرگ ہے۔ اسی طرح خدا کے بزرگ کے بھی معنے ہیں کہ اس کی مخلوق سے بزرگ ہے اور خدا اور وہ کی نسبت اس کی دعا میں زیادہ قبول کرتا ہے جیسے گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام ہوتے ہیں ان کی باتیں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ مانی جاتی ہیں۔ مگر نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ ان کی سب کی باتیں مان لے۔ تو یہ ایک باطل عقیدہ ہے جو پھیلا ہوا ہے کہ خدا کو سب دعا میں قبول کرنی چاہئیں۔

پچھلے جمعہ کے خطبہ میں جو میں نے یہ کہا تھا کہ ایسے طریق بتاؤں گا جن سے دعا میں قبول ہوتی ہیں۔ اس سے شاید کسی کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ اگلے جمعہ میں کوئی ایسی ترکیب بتا دی جائے گی جس سے جو چاہیں گے خدا تعالیٰ سے منوالیں گے اور اب یہ سن کر کہ خدا تعالیٰ ہر ایک دعا قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے اور نہ ہی کسی عقل مند کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اس کی تمام دعا میں قبول ہو جائیں گی۔ کوئی کہہ دے کہ پہاڑ کھو دنے سے چوہا ہی نکلا ہے یعنی جب کسی بڑی چیز کی امید ہو اور بہت چھوٹی چیز حاصل ہو تو یہی کہا جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے یہ خیال کیا تھا کہ اگلے جمعہ میں کوئی ایسا طریق بتا دیا جائے گا جس سے جوبات چاہیں گے خدا سے قبول کروالیں گے تو وہ اپنے دل سے اس کو نکال دے کیونکہ یہ کفر ہے اور یہ بات نہ میرے ذہن میں آئی اور نہ ہی کسی ایسے انسان کے ذہن میں آسکتی ہے جو خدا تعالیٰ کی عظمت، جلال اور قدرت سے واقف ہے۔ میرا مدعا تو یہ تھا کہ ایسا طریق بتایا جائے جس سے نبتاب خدا تعالیٰ زیادہ دعا میں قبول فرمائے۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ میں کوئی ایسا گرجانتا ہوں یا بتا سکتا ہوں یا یہ کہ میرا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے

انسان جو چاہے مناسکتا ہے۔

پس میں پہلے اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ میں قطعاً کوئی ایسا گرنبیں جانتا کہ جس سے آقا خادم اور خادم آقا بن جائے۔ خالق مخلوق ہو جائے اور مخلوق خالق۔ مالک غلام قرار پا جائے اور غلام مالک۔ کیونکہ آقا، آقا ہی ہے اور غلام، غلام۔ خدا تعالیٰ ازل سے آقا ہے، خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہا ہے، اسی طرح رہے گا۔ انسان ہمیشہ سے خادم، مخلوق اور مملوک رہا ہے اور اس کی بھی حالت ہمیشہ رہے گی۔ حتیٰ کہ جنت میں جب اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر ہو گا تو بھی بھی بھی حالت ہو گی۔ تو اس قسم کا خیال کفر ہے اور میں ہرگز ہرگز اس کا قائل نہیں۔ ہاں ایسے رنگ اور طریق ضرور ہیں کہ جن سے انسان اللہ تعالیٰ کو خوش کر کے جہاں تک آقا اور مالک، خالق اور مخلوق، مالک اور مملوک کا تعلق ہے اپنی بات مناسکتا ہے۔ جیسے ایک بچہ اپنے باپ سے اور شاگرد اپنے استاد سے منوالیتا ہے مگر ایسا کوئی بچہ نہیں ہو سکتا جو باپ سے اپنی ہربات منوالے اور ایسا کوئی شاگرد نہیں ہو سکتا جو استاد سے جو چاہے منظور کروالے۔ کوئی جاہل اور نادان باپ یا استاد ہر ایک بات مان لے تو یہ ایک الگ بات ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ کسی پڑھان نے اپنے لڑکے کو پڑھانے کے لئے ایک استاد کھا تھا۔ ایک دن استاد نے لڑکے کو سبق یادنامہ کرنے پر اسے سخت پیٹنا شروع کر دیا۔ لڑکا توارے کر مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ استاد بے چارہ جان بچانے کے لئے بھاگا، وہ اس کے پیچھے دوڑا۔ راستہ میں لڑکے کا باپ مل گیا۔ استاد صاحب نے سمجھا کہ اب جان بچ جائے گی۔ اس لئے اس کے پاس جا کر کہنے لگا دیکھنے آپ کا لڑکا مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، اس کو روکئے۔ اس نے کہا کہ بھاگومت ٹھہر جاؤ۔ میرے بیٹے کا یہ پہلا اور خالی نہ جانے پائے۔ تو کوئی بے وقوف ہی ایسا کر سکتا ہے نہ کہ عقل مند۔ پس میں جو دعاؤں کے قبول ہونے کا طریق بتاؤں گا وہ ایسا ہی ہو گا کہ جس سے خدا زیادہ دعائیں قبول کر لے گا، نہ ایسا کہ ہر ایک دعا کو قبول کر لے گا۔

پہلا طریق جس سے دعائیں قبول ہوتیں اور کثرت سے خدا تعالیٰ سنتا ہے وہ تو اس قسم کا ہے کہ ہر ایک انسان اسے اختیار نہیں کر سکتا۔ بلکہ خاص خاص انسان ہی اس پر چل سکتا ہے کیونکہ وہ انسان کے کسب سے متعلق نہیں بلکہ اس کے رتبہ اور مرتبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مرتبہ کا جو انسان ہوتا ہے اس کی نسبت تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ابھی میں نے اس بات سے انکار کیا تھا کہ انسان کی ہر ایک دعا قبول نہیں ہوتی۔ مگر اب میں نے کہا ہے کہ اس مرتبہ کے انسان کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے ان دونوں باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن جب میں یہ بتاؤں گا کہ وہ مرتبہ کیا ہے تو آپ لوگ خود بخود بھجو جائیں گے کہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔

میں نے اس مرتبہ اور مقام کا نام آله لعنى ہتھیار رکھا ہوا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو وہ اسے جہاں چلائے چلتا ہے اور اگر وہ ہتھیار ضرب نہ لگائے تو اس کا قصور نہیں ہوتا بلکہ چلانے والے کا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی چلانے والا یہ کبھی نہیں چاہتا کہ وہ کوئی ہتھیار چلائے اور وہ نہ چلے بلکہ وہ بھی چاہتا ہے کہ میں جہاں بھی چلاوں وہیں چلے۔ اسی طرح انسان پر ایک ایسا وقت آتا ہے جبکہ وہ خدا کے ہاتھ میں بطور ہتھیار کے ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں کھاتا جب تک کہ خدا اسے نہیں کھلاتا۔ وہ نہیں پیتا جب تک کہ خدا اسے نہیں پلاتا۔ وہ نہیں سنتا جب تک کہ خدا اسے نہیں سنتا۔ وہ نہیں جا گتا جب تک کہ خدا اسے نہیں جاتا۔ وہ نہیں سوتا جب تک کہ خدا اسے نہیں سلاتا۔ غرضیکہ اس کی ہر حرکت اور ہر سکون اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ایسا انسان جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کے کرنے کا حکم ہوتا ہے اس لئے کرتا ہے۔ اور اس کی دعا کا قبول کر لینا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو دعا مالکی جاتی ہے وہ دراصل خدا ہی نے منکوائی ہوتی ہے۔ پس چونکہ مالکنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور دینے والا بھی اللہ ہی۔ اس لئے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے اور ممکن نہیں کہ قبول نہ ہو۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔

جب کوئی حاکم اپنے ماتحت کام کرنے والوں کا معاف نہ کرنے آتے ہیں تو ماتحت اپنی ضروریات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو ایک ڈپلی کمشنر تھیں میں آیا۔ اور تھیسیلدار نے اپنی ضروریات اس کے سامنے پیش کیں کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے، فلاں سامان خریدنا ہے، فلاں کام کروانا ہے، غیرہ وغیرہ۔ وہ ان میں سے کچھ مان لے گا اور کچھ رد کر دے گا لیکن کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈپلی کمشنر خود کوئی ضرورت دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ چیز بھی ہوئی چاہئے اسکے لئے تھیسیلدار کو کہتا ہے کہ اس چیز کی منظوری حاصل کرنے کے لئے رپورٹ کر دو۔ وہ رپورٹ کر دیتا ہے۔ اب یہ کبھی نہ ہو گا کہ ڈپلی کمشنر اس رپورٹ کو رد کر دے یا نامنظور کر دے کیونکہ اس کے متعلق وہ خود کہہ گیا تھا کہ کرو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے کی زبان پر خود عاجاری کرتا ہے۔ پس جب خود کرتا ہے تو پھر اسے رد نہیں کرتا۔ یا اس بندے کے قرب اور درجہ کے انبصار کے لئے ہوتا ہے اور اگر وہ کوئی اور دعا کرنے لگے تو خدا تعالیٰ اس کے دل اور دماغ پر ایسا تصرف کر لیتا ہے کہ اس کے منہ سے وہ کلمات ہی نہیں نکلتے جو وہ نکالنا چاہتا تھا بلکہ ایسے کلمات نکلتے ہیں جو قبول ہونے والے ہوتے ہیں۔

تو ایسے انسانوں کے دعا کرنے کے دو طریق ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام یا کشف یا وحی یا رؤیا کے ذریعے سے انہیں بتا دیا جاتا ہے کہ یہ دعا مالکو۔

دوسری یہ کہ اگر وہ کوئی ایسی دعا مالکنے کی نیت کرے جو قبول نہ ہونے والی ہو تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا تصرف ہوتا ہے کہ ان کی نیت بالکل بدل جاتی اور یہ خواہش

ہی بالکل جاتی رہتی ہے کہ دعا کرے۔ پھر جو الفاظ اور جو طریق اس دعا کے کرنے کے لئے اس کے مدنظر ہوتا ہے وہ بھول جاتا ہے اور زبان سے خدا کی طرف سے بننے بنائے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں جس سے خود بھی حیران رہ جاتا ہے کہ میں کہنا کیا چاہتا تھا اور کہہ کیا رہا ہوں۔ اس قسم کی دعائیں وسعت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اتنی کہ دو دو گھنٹے گزر جاتے ہیں مگر انسان سمجھتا ہے کہ کوئی پانچ چھ منٹ ہوئے ہونگے۔ وقت گزرتے ہوئے بھی پتہ نہیں لگتا کیونکہ وہ ایسا محو ہوتا ہے کہ اس دنیا سے اس کا دل و دماغ بالکل گھنٹے ہے۔ اور صرف خدا ہی خدا سے نظر آتا ہے۔

مگر یہ کوئی ایسا طریق نہیں ہے جس کے متعلق ہر ایک انسان کو کہہ دیا جائے کہ اس طرح کیا کرو۔ کیونکہ یہ مرتبہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا پانا کسی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ پس جبکہ یہ انسانی اختیار میں ہی نہیں تو اس پر عمل کرنا یا کر سکنے کے کیا معنی؟ اس لئے میں یہ طریق بھی نہیں بتاؤں گا بلکہ وہ بتاؤں گا جس میں بندے کا اختیار اور تصرف ہو لیکن اس سے نہیں ہو گا کہ ساری کی ساری دعائیں قبول ہو جاتی ہیں بلکہ یہ کہ زیادہ قبول ہوتی ہیں۔

خدا تعالیٰ اسی کی دعا قبول کرتا ہے جو اس کو راضی رکھتا ہے

پس سب سے پہلا طریق جو میں بتانا چاہتا ہوں وہ اسی آیت میں ہے جو میں نے ابھی پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادٍ عَنِّي فَأَنَّى قَرِيبٌ۔ اُجِبْ دَعَوَةَ الْبَدَاعِ إِذَا دَعَانِ فَلَيَسْتَجِيبُوا لِي وَلَيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ میرے بندے جب میری نسبت سوال کریں یعنی کہیں کہ خدا کس طرح دعا قبول کرتا ہے تو کہو فانی قریب میں سب سے بہتر دعا کو پورا کر سکتا ہوں کیونکہ میری ایک صفت یہ بھی ہے کہ میں ہر ایک چیز کے قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کے بھی اور جس دعا کے لئے دعا کی جائے اس کے بھی۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہوا رہو یہ کہ ہر ایک قریب ہونے والا توفائد نہیں اٹھا سکتا۔ ایک چڑپا اسی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہ سکتا کہ کسی کرسی پر میئش سکے۔ اسی طرح چتر اٹھانے والا وزیر سے بھی زیادہ بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے مگر کیا وہ وزیر کی کرسی پر بیٹھنے کی جرأۃ کر سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔ تو انسان کے خدا کے نزدیک ہونے سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ اس کی دعا بھی قبول کرے گا اور وہ اس وجہ سے فائدہ حاصل کرے گا۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے ایک ایسا گرہتا یا ہے جس میں اس سوال کا جواب بھی آ جاتا ہے اور جو عام طور پر فطرت انسانی میں کام کرتا نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ فَلَيَسْتَجِيبُوا لِي تم میری ہر ایک بات مان لیا کرو۔ اور جو حکم ہم نے تمہارے لئے بھیجے ہیں ان پر عمل کرو۔ اور اپنے تمام حرکات و سکنات کو شریعت کے ماتحت لے آؤ تو پھر تمہاری دعائیں قبولیت بہت بڑھ جائے گی۔ کیوں؟۔ اس لئے کہ خادم کو انعام اس وقت ملا کرتا ہے جبکہ آقا خوش ہوتا ہے۔

اگر کوئی خادم اپنے آقا کو ناراض کر کے مانگتا ہے تو محروم رہتا ہے اس طرح کبھی کسی کو انعام نہیں ملا کرتا کیونکہ ناراضگی کا وقت ایسا نہیں ہوتا جبکہ انعام و اکرام دیا جائے۔ چھوٹے بچوں ہی کو دیکھ لو۔ انہیں کوئی سمجھ نہیں ہوتی لیکن اگر مال باب سے پکھہ مانگنے آئیں اور انہیں غصہ میں دیکھیں تو چیکے ہو کر الگ بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب خوشی میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ چیز لے دو وہ لے دو۔ تو بچے بھی سمجھتے ہیں کہ غصہ میں ہماری بات نہیں مانی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کوئی بلا وجد نہیں ہوا کرتی۔ اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ پس دعائیں قبولیت حاصل کرنے کا ایک رنگ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال پر غور کرے کہ کوئی فعل اس سے شریعت کے خلاف تو نہیں ہو گیا۔ ہر ایک کام جو وہ کرے شریعت کے ماتحت کرے جب یہ حالت پیدا ہو جائے گی تو اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔ جس طرح ایک مختصر طالب علم جو اچھی طرح سبق ہوا سے استاد کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ وہ چھٹی مانگے۔ اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ طالب علم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسے لڑکوں نے چھٹی مانگی جو سکول کا کام اچھی طرح نہیں کرتے تو استاد کہے گا کہ پڑھائی سے بچنے کے لئے چھٹی لیتے ہیں۔ اور اگر لاائق لڑکے مانگیں گے تو پھر ایسا خیال نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ استاد پہلے بھی ان پر خوش ہوتا ہے اس لئے رخصت دے دے گا۔ خدا تعالیٰ بھی اسی کی دعا قبول کرتا ہے جو اس کو راضی رکھتا ہے۔ اس لئے فرمایا فَلَيَسْتَجِيبُوا لِي میرے بندوں کو چاہئے کہ اگر وہ اپنی دعاءوں کو قبول کرو انا چاہتے ہیں تو میری باتیں مان لیا کریں۔ اگر یہ میرے احکام کو قبول کریں گے اور ان پر عمل کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کی دعائیں قبول ہو جائیں گی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو مومون کا ولی قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے دوست اسے نہیں کہتے جو ہر ایک بات مان لے بلکہ اسے کہتے ہیں جو کچھ مانے اور کچھ منوائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو مومون کا ولی فرماتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی باتیں بندہ کی میں مان لیتا ہوں اور بہت سی اسے مانی چاہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ جو مجھے پکارتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ مگر اس کے قبول ہونے کا طریق یہ ہے کہ وہ بھی میری باتیں قبول کرے۔ وہ میرے احکام کو مانے پھر اسے جو تکلیفیں اور مصیبیں پیش آئیں گی ان کو میں دو کروں گا۔ گویا خدا تعالیٰ ایک عہد کرتا ہے کہ تم میری باتیں مانو میں تمہاری مانوں کا تو دعا کے قبول ہونے کا یہ پہلا گرد خدا تعالیٰ نے اس

خدا تعالیٰ بندہ کے یقین پر دعا قبول کرتا ہے

دوسرا گز بھی اسی آیت میں ہے اور وہ یہ کہ فرمایو لیسو منوا بی۔ اگر میرے بندے دعا قبول کروانا چاہتے ہیں تو اس کا دوسرا طریق یہ ہے کہ مجھ پر ایمان بھی لائیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ زائد الفاظ ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تمام باتیں مانے گا ضرور ہے کہ وہ ایمان بھی لائے گا اور جو ایمان نہیں لائے گا وہ مانے گا بھی نہیں۔ مثلاً جو نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، زکوٰۃ دے گا، حج کرے گا، وہ یونہی نہیں کریگا اور نہ ہی رسی طور پر۔ کیونکہ رسی طور پر کرنے کی خدا تعالیٰ نے پہلے ہی نفی فرمادی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم شریعت کے حکموں پر عمل کرو گے تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بلکہ لفظ ہی ایسا رکھا ہے جو شریعت پر عمل کرنا بھی ظاہر کر دیتا ہے اور سم کے طور پر عمل کرنے کا رد بھی کر دیتا ہے۔ یعنی استجابت۔ اس کے معنے ہیں کہ ایک طرف سے آواز آئے اور دوسرا اس کو قبول کر کے اس پر عمل کرے۔ نہ یہ کہ کسی کے اپنے نفس میں رحم اور سخاوت ہے تو وہ بھی اس کا مصدقہ ہو سکے اور نہ ہی رسی یا عادات کے طور پر کوئی کام کرنا اس میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میری آواز سنے اور اس پر عمل کرے اس کی دعا قبول ہوگی۔ اس طرح ایک ناقص ایمان والا شخص جو رسی طور پر شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ یا ایک دہریہ جو یونہی لوگوں کے ڈر سے نماز پڑھ لیتا ہے داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ ولیو منوں ابی کے فرمانے کا کیا مطلب ہوا۔ جب پہلے سے ہی یہ شرط موجود ہے کہ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ استجابت ہو۔ اور استجابت اس وقت ہوتی ہے جب ایمان باللہ ہو۔ تو پھر ایمان لانے کے کیا معنی۔ استجابت جب ایمان لانے کے بغیر ہوئی نہیں سکتی تو پہلے ایمان ہونا چاہتے اور بعد میں استجابت۔ نہ کہ پہلے استجابت اور بعد میں ایمان۔ اس صورت میں ایک ظاہر بین کو اختلاف نظر آتا ہے لیکن یہ بات غلط ہے۔

یہاں خدا تعالیٰ پر ایمان لانے سے اس کی شریعت پر ایمان لانا مراد نہیں ہے بلکہ دعا کے قبول ہونے کا ایک اور گرتبا یا ہے جس کے نتیجے سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور ان کی دعائیں رد کی گئی ہیں۔ وہ گریہ ہے کہ انسان شریعت کے تمام احکام پر عمل کرے اور دعائیں مانگے مگر ساتھ ہی اس بات پر ایمان بھی رکھے کہ خدا تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ شریعت کے احکام پر بڑی پابندی سے عمل کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خشیت اللہ بھی ہوتی ہے۔ بڑے خشوع و خضوع سے دعائیں بھی کرتے ہیں مگر پھر یہ کہتے ہیں کہ فلاں اتنا بڑا کام ہے اس کے متعلق دعا کہاں سنی جاسکتی ہے یا یہ کہتے ہیں کہ ہم گنگہار ہیں ہماری دعا خدا کہاں سنتا ہے۔ اس قسم کا کوئی نہ کوئی خیال۔ شیطان ان کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے ان کی دعا میں قبولیت نہیں رہتی۔ اس نقص سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس بات پر بھی ایمان رکھو کہ جب تم ہمارے احکام پر اچھی طرح چلو گے تو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جب یہ یقین ہو تو پھر دعا قبول ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی زبان سے دعا تو کرتا ہے لیکن اسے یقین نہیں کہ خدا اس کی دعا کو قبول کرے گا تو کبھی اس کی دعا کو قبول نہ ہو سکے گی کیونکہ خدا تعالیٰ بندہ کے یقین پر دعا قبول کرتا ہے۔ اگر کسی کو یقین ہی نہ ہو تو لاکھ ماتھا گزے کیونکہ جس کو خدا پر ایمان نہیں ہوتی اس کی دعا وہ نہیں سنتا۔

فرماتا ہے لا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ (یوسف: ۸۸) اللہ کی رحمت سے کبھی نامیدینہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے کوئی ناشکرا انسان ہی نا امید ہوتا ہے ورنہ جس نے اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے اس قدر نشان دیکھے ہوں جن کو وہ گن بھی نہیں سکتا وہ ایک منت کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ میرا فلاں کام خدا نہیں کرے گا اور فلاں دعا قبول نہیں ہوگی۔ خواہ اس کی کیسی ہی خطرناک حالت ہو اور کسی ہی مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہو پھر بھی وہ بھی سمجھتا اور یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایک ادنی سے ادنی اشارہ سے بھی یہ سب کچھ دور ہو سکتا ہے اور خدا خود رکھ دو کرے گا۔ اور اگر اسے دعا کرتے کرتے میں سال بھی گزر جائیں تو بھی یہی یقین رکھتا ہے کہ میری دعا ضائع نہیں جائے گی۔ اور اس وقت تک دعا کرنے سے باز نہیں رہتا جب تک کہ خدا تعالیٰ ہی منع نہ کر دے کہ اب یہ دعامت کرو۔ گواں کی دعا قبول نہ ہو لیکن آخر کار خدا تعالیٰ کے کلام کا شرف تو حاصل ہو گیا کہ خدا نے فرمادیا کہ اب دعائے مانگو۔ توجہ تک خدا تعالیٰ نہ کہے اس وقت تک دعا کرنے سے نہیں رکنا چاہئے۔

تحک کر یا مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ نہ دیں

دعا قبول نہ ہو تو بھی انسان کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ دعا کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ اگر اب قبول نہیں ہوئی تو پھر ہی، پھر ہی۔ دیکھو بعض اوقات جب بچہ ماں سے پیسہ مانگتا ہے تو اسے نہیں بھی ملتا۔ لیکن اس کے بار بار کے اصرار پر مل ہی جاتا ہے اسی طرح انسان کو کرنا چاہئے۔ اگر ایک دفعہ دعا قبول نہ ہو تو دوسرا دفعہ ہی، دوسرا دفعہ نہ ہو تو تیسرا دفعہ ہی۔ تیسرا دفعہ نہ کسی تو پچھی دفعہ ہی حتیٰ کہ کبھی تو ہو ہی جائے گی۔ اس لئے مانگنے سے نہیں رکنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ دو قسم کے گدا گر ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو دروازے پر آ کر مانگنے کے لئے آواز دیتے ہیں تو کچھ لئے بغیر نہیں ٹلتے۔ ان کو زگدا کہتے ہیں اور دوسرا وہ جو آ کر آواز دیتے ہیں اگر کوئی دینے سے انکار کر دے تو اگلے دروازے پر چلے جاتے ہیں۔ ان کو خرگدا کہتے ہیں۔ آپ فرماتے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کے حضور خرگدا نہیں بننا چاہئے بلکہ زگدا ہونا چاہئے اور اس

وقت تک خدا کی درگاہ سے نہیں ہٹنا چاہئے جب تک کچھ مل نہ چکے۔ اس طرح کرنے سے اگر دعا قبول نہ بھی ہوئی ہو تو خدا تعالیٰ کسی اور ذریعے سے یہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ پس دوسرا گرد دعا کے قبول کروانے کا یہ ہے کہ انسان زرگار بنے نہ کر خرگدا۔ اور سمجھ لے کہ کچھ لے کے ہی ہٹنا ہے خواہ پچاس سال ہی کیوں نہ دعا کرتا رہے یہی یقین رکھے کہ خدا میری دعا ضرور سنے گا۔ یہ خیال بھی اپنے دل میں نہ آنے دے کہ نہیں سنے گا۔ اگرچہ جس کام یا مقصد کے لئے وہ دعا کرتا ہو وہ بظاہر ختم شدہ ہی کیوں نہ نظر آئے پھر بھی دعا کرتا ہی جائے۔

کہتے ہیں ایک بزرگ ہر روز دعائیں کرتے تھے۔ ایک دن جبکہ وہ دعائیں کرتے تھے ان کا ایک مرید آکر پاس بیٹھ گیا۔ اس وقت ان کو الہام ہوا جو اس مرید کو بھی سنائی دیا لیکن وہ ادب کی خاطر چپ کا ہور ہا اور اس کے متعلق کچھ نہ کہا۔ دوسرے دن پھر جب انہوں نے دعائیں شروع کی تو وہی الہام ہوا جسے اس مرید نے بھی سنایا۔ اس دن بھی چپ رہا۔ تیسرے دن پھر وہی الہام ہوا اس دن اس سے نہ رہا گیا اس لئے اس بزرگ کو کہنے لگا کہ آج تیسرا دن ہے کہ میں مستا ہوں ہر روز آپ کو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا۔ جب خدا تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے تو پھر آپ کیوں کرتے ہیں۔ جانے دیں۔ انہوں نے کہا، نادان! تو تو صرف تین دن خدا کی طرف سے یہ الہام سن کر جھبرا گیا ہے اور کہتا ہے کہ جانے دو دعا ہی نہ کر مگر مجھے تیس سال ہوئے ہیں یہی الہام سنتے لیکن میں نہیں کھبرایا۔ اور نہ نامید ہوا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا کام قبول کرنا ہے اور میرا کام دعائیں لگانا۔ تو خواہ خواہ دخل دینے والا کون ہے؟ وہ اپنا کام کر رہا ہے میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ لکھا ہے کہ دوسرے ہی دن الہام ہوا کہ تم نے تیس سال کے عرصہ میں جس قدر دعائیں کی تھی ہم نے سب قبول کر لی ہیں۔ تو اللہ سے کبھی نامید نہیں ہونا چاہئے۔ نامید ہونے والے پر اللہ تعالیٰ کا غصب بھڑک اٹھتا ہے۔ جو شخص نامید ہوتا ہے وہ سوچ کے کون سی کمی ہے جو اس کے لئے خدا نے پوری نہیں کی۔ کیسے کیسے فضل اور کیسے انعام ہوئے اور ہور ہے ہیں۔ پھر آئندہ نامید ہونے کی کیا وجہ ہے؟ پس دعائیں کا ایک طریق تو یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق کرے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس طرح ماں باپ بھی اُسی سچے کی باتیں مانتے ہیں جو ان کی مانے اور پوری فرمائبرداری کرے۔ جو ان کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا اس کی باتوں کی وہ بھی نہیں کرتے۔ پھر استاد اسی لڑکے کی بات مانتا ہے جو محنتی اور اچھی طرح سبق یاد کرنے والا ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے فرمائبردار بندوں کی نافرمان بندوں سے زیادہ مانتا ہے۔

پس تم اول تو اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق بناؤ اور دوسرو یہ کہ خدا کے فضل اور رحمت سے کیبھی مایوس نہ ہو بلکہ دعا کرتے وقت یہ پختہ یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری دعا ضرور سنے گا اور دعا کرتے وقت تک دعا کرتے رہو کہ خدا کی طرف سے یہ حکم نہ آجائے کہ اب یہ دعامت مانگو۔ لیکن جب تک خدا تعالیٰ یہ کسی کو نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کرتا اس وقت تک ہرگز ہرگز بازنہ رہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کرتا گویا اشارہ یہ کہنا ہے کہ اے میرے بندے تو مانگتا جا، میں گواں وقت قبول نہیں کرتا لیکن کسی وقت ضرور کروں گا۔ ورنہ اگر اس کہنے سے یہ مراد نہ ہوتی بلکہ دعا کرنے سے روکنا ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ دعامت مانگ نہ یہ کہ میں نہیں مانوں گا۔ پس جب تک کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں کہ ”یہ دعامت مانگ“، اس کے مانگنے کی میں تمہیں اجازت نہیں دیتا، اس وقت تک نہیں رکنا چاہئے۔ اس طرح تو ان کو مطلع کیا جاتا ہے جنہیں الہام اور کشف کا تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جنہیں یہ نہ ہوان کو اس بات سے منتظر کر دیا جاتا ہے جس کے متعلق وہ دعا کرتے ہیں۔

جن پر الہام اور وحی کا دروازہ کھلا ہوتا ہے ان کو تو خدا کہہ دیتا ہے کہ ایسا مامت کرو لیکن جن کے دل میں نفرت پیدا کر دی جاتی ہے اس لئے وہ خود ہی اس دعا کے مانگنے سے باز رہ جاتے ہیں۔ اس کا نام مایوسی نہیں بلکہ ان کا یہ تو یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارا فلاں مقصود پورا کر سکتا ہے اور ہمیں فلاں چیز دے سکتا ہے۔ لیکن ہم خود ہی اسے نہیں لینا چاہتے۔ پس اگر کسی کے دل میں دعائیں لگتے ہوئے اس چیز سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس سے بھی دعا کرنا چھوڑ دینا چاہئے ورنہ نہیں رکنا چاہئے خواہ قبولیت میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگ جائے۔ بعض دفعہ دعا کرتے کرتے کچھ ایسے سامان پیدا ہو جاتے ہیں کہ اگر دعا قبول ہو جائے تو اس سے شریعت کا کوئی حکم ٹوٹتا ہے اس سے بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اس دعا سے باز رہنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کے دعا کو قبول کرنے سے انکار کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے یعنی بجائے قول کے خدا تعالیٰ کا فعل سامنے آ جاتا ہے اس لئے اس کے کرنے سے رک جانا چاہئے۔ تو دعا کرنے سے رکنے کے تین پہلو ہیں۔

اول یہ کہ الہام یا کشف ہو جائے کہ یہ دعامت کرو۔ یا ہماری طرف سے اس کے کرنے کی اجازت نہیں۔ ☆..... دوم یہ کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دعا کی جائے اس سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ☆..... سوم یہ کہ جس بات کے لئے دعا کی جائے وہ شریعت کے محدودرات کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔

اگر ان تینوں حالتوں میں سے کوئی حالت بھی نہ ہو تو دعا کرنے سے کبھی نہیں رکنا چاہئے۔ اور کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ یہی سمجھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ جو مانگنے کا موقعہ دیا ہوا ہے اس میں مانگتا ہی جاؤں تا کہ یہ ضائع نہ جائے۔ جب کوئی اس طرح کرے گا تو ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی دعا یا تو قبول کر لے گا یا ان تینوں طریقوں میں سے کسی سے اسے روک دے گا۔ (ان تینوں کے علاوہ ابھی تک اور کوئی روک میری سمجھ میں نہیں آئی) لیکن اگر روک بھی دے تو کیا دعائیں کا یہ تھوڑا فائدہ اور نفع ہے کہ

خداوند تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اسے اس قابل سمجھا کہ مخاطب کرے۔

آج میں دعا کے قول ہونے کے صرف یہی دو طریق بتاتا ہوں۔ اور بھی یہی مگر وقت تگ ہو رہا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں ان کو انشاء اللہ بیان کر دوں گا۔

(الفضل ۲۹، جولائی ۱۹۱۶ء۔ بحوالہ خطبات محمود جلد ۵)

(مطبوعہ الفضل انٹریشنس ۱۵، جنوری ۱۹۹۹ء تا ۲۱ جنوری ۱۹۹۹ء)

قطعہ دوم

سیدنا حضرت خلیفۃ المسکن الثانیؒ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ / جولائی ۱۹۱۶ء میں تشبہ تعوذ و سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی تلاوت کی واؤسائلک عبادی عنی فانی قریب۔ اُجِیبُ دَعَوَةِ الدِّاعِ اذَا دَعَانِ فَلَیْسَتْ حِیْوَا لِیٰ وَلَیُؤْمِنُوا بِیٰ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ (البقرہ: ۱۸)

”بہت سی باتیں ظاہر ہیں اور چھوٹی نظر آتی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے فوائد سے محروم رہنا ہوتا ہے وہ ان کو بے حقیقت اور معمولی سمجھ کر ان پر سے انہوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ لیکن ان پر عمل کرنے سے بہت بڑے اور اعلیٰ درجہ کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو سارے پڑھے لکھئے آدمی خط لکھتے ہیں لیکن سب کا خط خوبصورت نہیں ہوتا۔ لکھنے والی قلم، سیاہی اور کاغذ ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ پھر ہاتھ بھی ایک ہی ایسا ہوتا ہے۔ وہی پانچوں انگلیاں سب کی ہوتی ہیں جو ایک خوبصورت نہیں کی ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کے گوشت ہڈیوں اور نسوان سے بنی ہوتی ہیں۔ مگر جب ایک لکھتا ہے تو ایسا خوبصورت کہ دیکھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ دونوں خطوں میں بڑا فرق ہوتا ہے اور دونوں کا اپنے اپنے رنگ میں بڑا اثر پڑتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے اعلیٰ اور عمدہ خط کی طرف انسان کی طبیعت خود بخود ہٹھچتی ہے۔ گویرا اپنا خط کوئی ایسا اچھا نہیں۔ لیکن میری ڈاک میں جو خط اپنے لکھنے کے ہوتے ہیں ان کو میں پہلے پڑھتا ہوں تاکہ آسانی سے پڑھ سکوں اور جو مشکل سے پڑھے جاتے ہیں ان کو بعد میں پڑھتا ہوں۔ تو خوبصورت خط کا ایک فوری اثر ہوتا ہے۔ لیکن جانتے ہو خط کی خوبصورتی کہاں سے آتی ہے۔ اگر کہو کہ ہاتھ سے تو ہاتھ تو سب کے ہوتے ہیں۔ اگر کہو قلم سے تو قلم بھی تو سب کے پاس ہوتی ہے۔ اگر کہو سیاہی سے تو سیاہی بھی توہر ایک رکھتا ہے۔ اور اگر کہہ کاغذ سے تو کاغذ بھی ہر ایک کے پاس ہوتا ہے۔ پھر وہ کیا چیز ہے جس کی موجودگی دوسرا کے خط کو بد صورت اور بدنام بنا دیتی ہے۔ یہ دراصل ایک معمولی سی حرکت اور خفیف سایچ ہوتا ہے اگر اس کے متعلق کوئی خوبصورت نہیں بتائے تو سننے والا حیران ہو کر کہہ دے گا کہ لیاں ذرا سی حرکت کے نتیجہ میں ایسا اعلیٰ نتیجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دراصل بات تو یہی ہے کہ نہایت خفیف سی حرکت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بہت خوبصورت خط ہوتا ہے اور اسی کی کمی سے بڑا بد صورت نظر آتا ہے۔ اس حرکت کو جانے والے بڑے اعلیٰ درجہ کے خوبصورت نہیں گزرے ہیں۔ ہندوستان میں ایک خوبصورت تھا جب کوئی فقیر اس کے پاس مانگنے کے لئے آتا اور وہ اس پر مہربان ہوتا تو اسے ایک حرف لکھ کر دے دیتا۔ اس کا ایک حرف آسانی سے ایک روپیہ کو بک جاتا۔ جس طرح آجکل قلعے نماش کے لئے گائے جاتے ہیں اسی طرح اس کے ایک ایک حرف کو زینت کے طور پر لوگ لگاتے تھے لیکن اس میں کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ صرف ہاتھ کی حرکت ہی تھی جو اس کے خط کو خوبصورت کر دیتی تھی۔ اس کو اگر وہ بیان کرتا تو ہر ایک اس بات کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اتنی سی معمولی حرکت سے ایسا خوبصورت حرف کس طرح لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن خوبصورتی کا باعث وہی حرکت تھی۔

تمام پیشیوں کا یہی حال ہے۔ ایک ہی لکڑیاں چیرنے والا آرہ۔ اور ایک ہی طرح کے سب آدمی ہوتے ہیں مگر ایک کی بنائی ہوئی چیز ایسی عمدہ ہوتی ہے کہ انسان اُس کی طرف سے آنکھیں نہیں ہٹانا چاہتا۔ اور دوسرا کی ایسی ہوتی ہے کہ دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے تو لکڑی کوہی خراب کر دیا ہے۔ ان دونوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں اتنا فرق پیدا کرنے والی بھی ایک حرکت ہی ہوتی ہے۔ جسے اگر بیان کیا جائے تو سننے والا حیران رہ جائے کہ یہ اس بات کا موجب کس طرح ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کھانا پکانے والے ہیں۔ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا پکاتا ہے کہ اگر انسان کو بھوک نہ بھی ہو تو بھی دیکھ کر اشتہاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک ایسا پکاتا ہے کہ اگر سخت بھوک لگی ہو تو بھی کھانا دیکھ کر بند ہو جاتی ہے۔ اگر اس اچھا کھانا پکانے والے سے پوچھا جائے کہ تم نے کس طرح پکایا ہے تو یہ نہیں ہو گا کہ وہ ترکیبیں اور احتیاطوں کے کوئی دو تین صفحے لکھا دے گا بلکہ یہی کہے گا کہ جس طرح سب لوگ پکاتے ہیں اسی طرح میں نے بھی پکایا ہے۔ میں کوئی نئی ترکیب تو نہیں جانتا۔ یا اگر زیادہ کرے گا تو یہ کہہ دے گا کہ نمک مرچ اس طرح ڈالتا ہوں، مسالہ اس طرح بھونتا ہوں، آگ اس قدر جلاتا ہوں وغیرہ۔ ان با توں کوں کر پوچھنے والا سمجھے گا کہ یہ ممحنے سے دھوکہ کر رہا ہے اور اصل بات نہیں بتاتا۔ اس طرح تو میں پہلے ہی کرتا ہوں لیکن اصل اور درست بات وہی ہوتی ہے جو وہ بتا رہا ہوتا ہے۔ یہی حال عمارت بنانے والوں کا ہے۔ یہی علم پڑھانے والوں کا ہے۔ ایک مدرس کی بات بہت کم طالب علم سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرا کی ہر ایک سمجھ جاتا ہے۔ اس کو بیان کرنے کی ایک معمولی مشق ہوتی ہے اسے اگر وہ بیان کرے تو لوگ بہت معمولی سمجھیں۔ اسی طرح اور کئی با توں کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہی معمولی با تین بہت بڑے نتائج پیدا کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے سنا۔ آپ کسی عورت کا قصہ بیان فرماتے کہ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس نے اپنی ماں کو کہا کہ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جو میں اگر واپس آؤں تو تھنہ کے طور پر آپ کے لئے لیتا آؤں۔ اور آپ اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ ماں نے کہا اگر تو سلامت آجائے تو یہی بات میرے لئے خوشی کا موجب ہو سکتی ہے۔ لڑکے نے اصرار کیا اور کہا آپ ضرور کوئی چیز بتائیں۔ ماں نے کہا اچھا اگر تم میرے لئے کچھ لانا چاہتے ہو تو روٹی کے جلے ہوئے ٹکڑے جس قدر زیادہ لاسکو لے آتا۔ میں انہی سے خوش ہو سکتی ہوں۔ اس نے اس کو بہت معمولی بات سمجھ کر کہا کہ کچھ اور بتائیں۔ لیکن ماں نے کہا۔ میں یہی چیز مجھے سب سے زیادہ خوش کر سکتی ہے۔ خیر وہ چلا گیا۔ جب وہ روٹی پکاتا تو جان بوجھ کر اسے جلاتا۔ تا جلے ہوئے ٹکڑے زیادہ جمع ہوں۔ روٹی کا اچھا حصہ تو خود کھا لیتا اور جلا ہوا حصہ ایک تھیلے میں ڈالتا جاتا۔ کچھ مدت کے بعد جب گھر آیا تو اس نے جلے ہوئے ٹکڑوں کے بہت سے تھیلے اپنی ماں کے آگے رکھ دئے۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا۔ اماں! میں نے آپ کے کہنے پر عمل تو کیا ہے مگر مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ یہ کیا بات تھی۔ ماں نے کہا اس وقت جب تم گئے تھے اس کا بتانا نامناسب تھا اب میں بتاتی ہوں اور وہ یہ کہ بہت سی بیماریاں انسان کو نہیں پختہ کھانا کھانے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہیں۔ میں نے جلے ہوئے ٹکڑے لانے کے لئے اس نے کہا تھا کہ تم ان ٹکڑوں کے لئے روٹی کو ایسا پکاؤ گے کہ وہ کسی قدر جمل بھی جائے گی۔ جل ہوئی کو رکھ دو گے اور باقی تم کھالو گے۔ اس سے تمہاری صحت بہت اچھی رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہ کیا چھوٹی سی بات تھی لیکن درحقیقت اس کے بچے کو بچانے کا موجب ہو گئی۔ سپاہی چونکہ جلدی جلدی کھانا پکا کر کھاتے ہیں اور اس طرح اکثر کچارہ جاتا ہے اس لئے انہیں پچھل اور حرقہ وغیرہ امراض اکثر لاحق رہتی ہیں۔ اس کی ماں نے ایسی بات بتائی جو بظاہر تو معمولی تھی مگر جب اس نے اس پر عمل کیا تو بہت بڑا فائدہ اٹھایا یعنی اس سے اس کی صحت سلامت رہی۔

یہ میں نے تمہید کیوں بیان کی ہے اس لئے کہ جو کچھ میں نے پچھلے جمع کو بیان کیا تھا اور جو آج کرنے لگا ہوں وہ بظاہر سننے میں بہت معمولی معلوم ہوا ہو گا۔ اگر وہ ایسا ہی معمولی ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ خوبصورت لکھنے والے، عمدہ اشیاء بنانے والے، اعلیٰ کھانا پکانے والے کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جن کی دعا میں قبول ہوتی ہیں وہ کوئی خاص گُر جانتے ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کے پاس بھی وہی گُر ہوتا ہے مگر وہ استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی دعا میں رُو کی جاتی ہیں۔ اور جو استعمال کرتے ہیں ان کی قبول کی جاتی ہیں۔ پس تم لوگ ان کو معمولی سمجھو وہ گومعمولی نظر آتی ہیں مگر نتائج اعلیٰ رکھتی ہیں۔ جب تم ان باتوں کو سنو گے جواب میں سنا ناچاہتا ہوں تو کہو گے کہ یہ معمولی باتیں ہیں ان کو ہم بھی جانتے ہیں مگر جاننا اور بات ہے اور عمل کرنا اور بات۔ غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ مرا زا صاحب مسیح موعود ہو کر کیا آئے جس دن سے آئے ہیں اسی دن سے لوگوں پر ہلاکت اور بتاہی آرہی ہے۔ ہم کہتے ہیں ان کا آنا ہلاکت اور بتاہی سے نہیں بچا سکتا بلکہ ان کا مانا بچاتا ہے۔ پس ہمیں یہ بتایا جائے کہ کتنوں نے آپ کو مانا ہے۔ جب آپ کو ماننے نہیں تو پھر بتاہیوں سے کس طرح بچیں۔ تو کسی بات کا جاننا یا زبانی مانا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

گزشتہ جمعہ میں میں نے دعا کے قبول ہونے کے لئے دو باتیں بتائی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ انسان اپنے اعمال میں پاکیزگی پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کے ہر ایک حکم کو بجالائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس سے انسان خوش ہوتا ہے اس کو انعام دیتا ہے اسی طرح جس پر خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے اسی پر انعام کرتا ہے۔ اس طریق کو سن کر بعض لوگ کہہ دیں گے کہ یہ تو ایک بڑی بات ہے ہمیں پہلے اپنے اعمال کی درستی کے لئے ہی دعا کی ضرورت ہے کیونکہ دعا تو قبول ہو گئی جبکہ اعمال درست ہوئے۔ اور اعمال اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ خدا تعالیٰ ہماری دشمنی رکھنے کے لئے کوئی ایسی بات بتاؤ جس پر عمل کرنے سے ہمارے جیسے کمزور ایمان اور کمزور اعمال والے انسانوں کی دعا میں بھی قبولیت کا شرف حاصل کر سکیں۔ کیونکہ ہم کو نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ضرورت ہے تاکہ ہمارے اعمال دعا کے ذریعہ درست اور مضبوط ہوں اور ہمیں کامل ایمان حاصل کرنے کی توفیق ملتے۔ اس کے لئے میں آن چند ایسی باتیں بھی بیان کرتا ہوں جن کو ہر ابتدائی حالت والا انسان عمل میں لاسکتا ہے اور گودہ معمولی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت بہت بڑی ہیں اور ان سے بڑے بڑے متاثر پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بات تو وہ ہے جو گزشتہ خطبے میں میں نے بتائی تھی کہ انسان دعا کرتے ہوئے اس بات پر کامل ایمان رکھے کہ میں خدا کے حضور سے کبھی نامید نہیں ہوں گا اور کبھی تھی دست نہیں پھر گا۔ لیکن اگر کوئی انسان دعا تو کرتا ہے مگر اس کا دل کھتا ہے کہ تیری دعا قبول نہیں ہو گی تو واقعہ میں اس کی دعا قبول نہیں ہو گی۔ اس لئے ہر ایک انسان اس یقین سے دعاماً تک کہ خدا تعالیٰ ضرور سنے گا اور قبول کرے گا۔

خدائی کے بندوں کے دکھ دور کریں

دوسرا بات یہ ہے کہ ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں کہ ان کے جو پیارے ہوتے ہیں ان سے جو نیک سلوک کرتا ہے وہ بھی ان کی نظر وہ میں پیارا معلوم دینے لگ جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایک بچے کو ہلاکت سے بچائے تو اس بچے کے ماں باپ اس کے شرگزار ہوئے گے اور اسے نہیں کہیں گے کہ تو نے بچے کو بچایا ہے نہ کہ ہم کو کہ تیرے

مُغْنِوْرُهُوْل۔ تو یہ محبت کا تقاضا ہے کہ جو چیز کسی کی محبوب ہوتی ہے تو جب اس کو کوئی فائدہ پہنچائے یا اس کی نسبت کوئی اچھی بات کہہ تو محبت کے دل میں اس کی بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہی گردد عالم بھی انسان استعمال کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت زیادہ محبت انسانوں سے ہوتی ہے جو بندوں کو بندوں سے ہوتی ہے۔ کیوں؟۔ اس لئے کہ محبت کی بنیاد تعلق پر ہوتی ہے۔ چونکہ بندوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ابتداء کے لحاظ سے بھی اور انتہا کے لحاظ سے بھی عارضی تعلق ہوتا ہے اس لئے ان کی محبت خواہ لکنی ہی زیادہ ہو پھر بھی خدا کی محبت سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی محبت دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ ایک جنگ میں آنحضرت ﷺ نے شریف رکھتے تھے۔ کفار کو شکست ہو چکی تھی۔ صحابہ قیدیوں کو، مال اسباب کو جمع کر رہے تھے۔ پکڑ دھکڑ شروع تھی کہ ایک عورت بھاگی پھرتی نظر آئی۔ وہ جس پچھے کو دیکھتی اسے پکڑ کر پیار کرتی اور پھر دیوانہ وار آگے چل پڑتی۔ اسی طرح چلتے چلتے اسے اپنا بچہ مل گیا جسے اس نے پکڑ کر چھاتی سے لگایا اور آرام سے بیٹھ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تم نے اس عورت کو دیکھا پہنچ کی محبت سے کس طرح بیتاب ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت اور پیار ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی محبت انسانوں کی محبت سے بہت زیادہ ہے۔ پس جس طرح اگر کوئی کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو اس کے مُحبب کے دل میں اس کی بھی محبت اور الافت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اگر کوئی احسان، مروت اور حرم کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر حرم کرتا ہے۔ تو دعاوں کی قبولیت کا ایک طریق یہ بھی ہے۔ کہ جب کوئی اہم معاملہ دریش ہو اور اس کے لئے دعا کرنی ہو تو اس وقت کسی ایسے انسان کے جو کسی قسم کے دکھ اور تکلیف میں ہو دکھ کہ کو دور کر دیا جائے یا دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کے کسی بندھ سے ایسا سلوک کرے گا تو اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس کے دکھ کو دور کر دے گا کیونکہ اس نے اس کے ایک بندھ کا دکھ دور کیا تھا، یہ بہت اعلیٰ طریق ہے۔ دعا کرنے سے پہلے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا چاہئے جو کسی مصیبت اور تکلیف میں ہو خواہ وہ تکلیف جانی ہو یا مالی، عزت کی ہو یا آبروکی، کسی قسم کی ہو۔ تم کوشش کرو کہ دور ہو جائے آگے دور ہو یا نہ ہو اس کے قدمہ دار نہیں ہو۔ تم اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق زور لگادو۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور جاؤ اور جا کر اپنے مدعا کے لئے دعا کرو۔ اس طریق کی دعا بہت حد تک قبول ہو جائے گی۔ تم خدا تعالیٰ کے کسی بندھ کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے جس قدر توجہ کرو گے خدا تعالیٰ تمہاری تکلیف دور کرنے کے لئے اس سے بہت زیادہ توجہ فرمائے گا۔ اور کیا سمجھتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی توجہ بھی بنیتی ہے؟۔ ہرگز نہیں ممکن ہے کہ تم جس انسان کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرو اس میں تمہیں کامیابی نہ ہو کیونکہ تم بندھ کے اختیار میں نہیں کہ جو پچھہ کرنا چاہئے اس میں کامیاب بھی ہو جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ وہ جس بات کو کرنا چاہے وہ ضرور ہی ہو جاتی ہے۔ اس لئے تم کبھی یہ خیال مت کرنا کہ چونکہ تمہاری کوشش کامیاب نہیں ہوئی اس لئے خدا تعالیٰ بھی تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ تمہارا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو وہ ضرور ہو جائے گا۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لے لیتا ہے۔ پس تم اس طریق کو ضرور استعمال کرو۔ اس کے علاوہ

:

آنحضرت پر کثرت سے درود بھیجیں

تیر اطریق یہ ہے کہ وہ انسان جو اس درجہ کو نہ پہنچ ہوں کہ خدا تعالیٰ خود انہیں دعا میں سکھائے اور بتائے کہ یہ دعا کرو اور یہ نہ کرو وہ دعا کرنے سے پہلے کثرت سے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجیں۔ آنحضرت ﷺ وہ انسان ہیں جو خدا تعالیٰ کے حضور تمام بني نواع انسان سے زیادہ مقبول ہیں۔ خواہ وہ آپ سے پہلے گزرے یا بعد میں آئے یا آئندہ آئیں گے۔ ہر ایک انسان کی نظر میں اس کا استاد یا اس کے خاندان کا بزرگ بڑا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ کے مرنے پر بڑا اویلاً مچا ہوا تھا۔ پاس سے ایک چوڑا گزرہ رہا تھا۔ اس نے کسی کو کہا اتنی بڑی کیا آفت آگئی ہے کہ سارا شہر پاگل بننا ہوا ہے۔ اس نے کہا مہاراجہ رنجیت سنگھ مر گیا ہے۔ یہ سن کروہ ایک ٹھنڈا انسان سکھنے کر کہنے کا باپو ہی جیسے مر گئے تور نرجیت سنگھ کوں تھا جو نہ مرتا۔ گویا اس کے نزدیک باپو ہی اتنی حیثیت رکھتے تھے کہ رنجیت سنگھ جواب پنے وقت کا بادشاہ تھا کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اس کے دل میں وہی جذبہ کام کر رہا تھا جواب پنے بزرگوں کی محبت اور الافت کا ہر ایک انسان میں ہوتا ہے۔ مذاہب میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ دیکھو باوجود وہ اس کے کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ کے خلافاء میں سے ایک خلیفہ تھے مگر اس محبت اور الافت نے جواب پنے استاد یا بزرگ سے ہوتی ہے۔ عیسائیوں کو ایسا مجبور کیا کہ انہوں نے ان کو حضرت موسیٰ سے بہت زیادہ بڑھادیا۔ تو میں نے جو یہ کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے سے پہلے آنے والوں اور اپنے سے بعد میں آنے والوں میں سے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ شان رکھنے والے ہیں۔ ان میں میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنے موجودہ درجہ میں ہوں یا اس سے بھی بڑے درجہ میں تو بھی آپ آنحضرت ﷺ کے خادم اور غلام ہی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ آپ کا قرب اور درجہ آنحضرت ﷺ کے طفیل ہے اور آپ ہی کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ حقیقی محبت استثناء کرتی ہے یعنی جس سے تعلق ہواں کو دوسروں سے بڑھ کر دکھاتی ہے۔ مگر ہم کو جس انسان سے اس زمانہ میں نور ملا ہے ہم اس کو مستثنی نہیں کرتے اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ سب انسانوں کی نسبت آنحضرت ﷺ کا مقام اعلیٰ وارفع ہے اور آپ ایک ایسے مقام پر ہیں کہ گویا سب سے علیحدہ ہو کر ایک اکیلے نظر آجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ توحید کے ساتھ آپ کا نام بھی رکھ دیا ہے۔ ایسے انسان کی نسبت جو درود بھیج کر خدا تعالیٰ سے برکات چاہے خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ کر اس پر فضل کرنا شروع کر دیتے ہے۔ یہ بات احادیث سے ثابت ہے۔ (وقت کی کمی کی وجہ سے میں یہیں بیان کر سکتا کہ جو طریق میں بیان کر رہا ہوں ان کو میں نے کس آیت اور کس حدیث سے استدلال کیا ہے مگر اتنا بتا دیتا ہوں کہ یہ سب باتیں قرآن کریم اور احادیث سے لی گئی ہیں) تو دعا کے قبول ہونے کے ساتھ درود کا بڑا تعلق ہے۔ وہ انسان جو آنحضرت ﷺ پر درود بھیج کر دعا کرتا ہے اس کی ہر ایک ایسے انسان سے بڑھ کر دعا قبول ہوتی ہے جو بغیر درود کے کرے۔

انعام دینے کا یہ بھی ایک طریق اور رنگ ہوتا ہے کہ اپنے پیارے اور محبوب کی وساطت اور ولیہ سے دیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تمام انعامات کا وارث کرنے اور سب سے بڑا رتبہ عطا کرنے کے لئے اس طریق سے بھی کام لیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ پر درود بھیج کر دعائیں گے ان کی دعائیں زیادہ قبول ہوئی۔ دنیا میں کوئی انسان ہے جسے خدا تعالیٰ کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک کو ہے۔ اسلئے ہر ایک ہی اپنی مصیبت کے دور ہونے اور حاجت کے پورا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرے گا۔ اور جب دعا کرے گا تو اگرچہ وہ پہلے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا عادی نہ ہوگا لیکن اپنی دعا کے قبول ہونے کے لئے درود بھیج گا جو آنحضرت ﷺ کی ترقی درجات کا موجب ہوگا اور اس طرح اسے بھی انعام مل جائے گا۔ غرض خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے کے لئے ایک بات یہ بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیج کر پھر دعا کی جائے اور یہ کوئی نارواب ابادت نہیں۔ یہ اسی طرح کی ہے کہ جو محبوب سے اچھا سلوک کرتا ہے وہ بھی محبت کا محبوب ہو جاتا ہے۔

کثرت سے خدا تعالیٰ کی حمد کریں

چوچھا گری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی حمد کرے۔ یہ بھی عام طریق ہے جو اسلام کی تعلیم سے بھی معلوم ہوتا ہے اور فطرت انسانی میں بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھو فقراء جب کچھ مانگنے آتے ہیں تو جس سے مانگنے ہیں اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ کبھی اسے باادشاہ بناتے ہیں، کبھی اس کی بلندشان ظاہر کرتے ہیں، کبھی کوئی اور تعریفی کلمات کہتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس میں وہ کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر مانگنے والا اس طرح کرتا ضرور ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے آپ کو بڑا محتاج اور سخت حاجتمند بھی ظاہر کرتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ اس طرح کرنے سے میں اپنے مخاطب کو حرم اور بخشش کی طرف متوجہ کر لوں گا اور اللہ تعالیٰ کی تو جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ کم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی سب خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی لئے دوسرے لوگوں کی جو تعریف ہوتی ہے وہ بھی اور جھوٹی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے مگر خدا تعالیٰ کی جو تعریف بھی کی جائے وہ سب سچی ہی ہوتی ہے۔ اسلئے جب کبھی دعا کی ضرورت ہو تو دعا کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد کر لینی چاہئے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ سے یہیں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ وہ سب سے بڑی دعا ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھائی ہے اور ہر روز کئی بار پڑھی جاتی ہے۔ اس میں پہلے خدا نے یہی رکھا ہے کہ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - الْرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ مَلِكُ يَوْمِ الدِّينِ - إِنَّا نَعْبُدُ وَإِنَّا نَسْتَعِينَ - أَهْدَنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرَ المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ** فرمایا ہے۔ اس میں یہی گرسکھایا گیا ہے کہ جب کوئی دعا کرنے لگو تو پہلے کثرت سے خدا تعالیٰ کی حمد کرلو۔ (حمد تمام خوبیوں اور پاکیزیوں کے جمع ہونے اور سب نقصوں اور کمزوریوں سے منزہ سمجھنے کا نام ہے۔ اس لئے تسبیح بھی اس میں شامل ہے اور یہ بھی ایک قسم کی حمد ہوتی ہے)۔ خدا تعالیٰ کی حمد کر کے دعا کرنے سے بہت زیادہ دعا قبول ہوتی ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ دعا کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد کرے، اس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرے اور اس کی تعریف بیان کرے اس طرح دعا یہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ چونکہ بندہ خدا تعالیٰ کی صفات کو بیان کرتا اور اپنے آپ کو بالکل بیچ ظاہر کرتا ہے اس لئے وہ خدا جو رحم، مالک، خالق، قادر ہے اور جس کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ جب ایک انسان کسی انسان کے سامنے اپنے آپ کو محتاج پیش کرتا اور اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے تو اسے رحم آ جاتا ہے اور وہ اس کی پچھنچہ پچھمد کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے حضور جب کوئی انسان اپنی حالت زار کو پیش کرے اور اس کی حمد و تعریف بیان کرے تو کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی دعا کو روڑ کر دے۔ پس جب کوئی انسان خدا تعالیٰ کی صفات کو بیان کر کے کچھ مانگتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا یہ محتاج بندہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اسے دیا جائے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے سے خدا تعالیٰ کی محبت جوش میں آتی ہے اسی طرح حمد کرنے سے اس کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ درود پڑھنے سے تو خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ یہ بندہ چونکہ ہمارے پیارے بندہ کے لئے دعا کرتا ہے کہ اس پر فضل کیا جائے اس لئے میں اس پر بھی فضل کرتا ہوں اور حمد کرنے کے وقت کہتا ہے کہ میرا بندہ جو میری صفات بیان کر رہا ہے میں اس پر اپنی صفات ظاہر بھی

کر دیتا ہوں تا اس کو ملی طور پر معلوم ہو جائے کہ جو کچھ وہ میرے متعلق کہتا ہے وہ سب درست ہے۔ تو حمد خدا تعالیٰ کی سب صفات کو جوش میں لے آتی ہے اور سب صفات جمع ہو کر ایک طرف جھک جاتی ہیں تا کہ اس بندہ کا کام کر دیں۔

دعائے پہلے اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف کریں

اس کے علاوہ دعا کی قبولیت کے لئے یہ بھی یاد رکھو کہ دعا کرنے سے پہلے اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف کرو۔ گہرائیک دعا کرنے والا نہیں سمجھتا اور نہ محسوس کرتا ہے مگر جو محسوس کرتے یا کر سکتے ہیں ان کا تجربہ ہے کہ جب انسان دعا کرتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ کا ایک قرب حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور کچھی جاتی ہے گوہ کچھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ خدا نظر آرہا ہے مگر جس طرح خواب میں روح کو جسم سے آزاد کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے لئے روح الگ کی جاتی ہے۔ چونکہ روح کی صفائی جسم کی صفائی سے تعلق رکھتی ہے اور روح کی ناپاکی جسم کی ناپاکی سے۔ اس لئے اگر جسم ناپاک ہو تو روح پر بھی اس کا ناپاک ہی اثر پڑتا ہے اور اگر جسم پاک ہو تو روح پر بھی اس کا پاک ہی اثر پڑتا ہے۔ ایک واقعہ لکھا ہے واللہ اعلم کہاں تک درست ہے، مگر ہے نتیجہ خیز۔ لکھا ہے کہ کسی شہزادی نے ایک معمولی شخص سے شادی کر لی۔ جب وہ دونوں خلوت میں جمع ہوئے تو چونکہ مرد نے کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے تھے اس لئے ہاتھوں کی بوئے سے اسے اتنی تکلیف ہوئی کہ اس نے کہا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ دئے گئے۔ گو خدا تعالیٰ پر کسی کے گندہ اور ناپاک ہونے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا مگر خدا تعالیٰ ہر ایک گندہ اور ہر ایک ناپاکی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام عبادتوں کے لئے صفائی کی شرط ضروری قرار دی ہے۔ جس طرح وہ شخص جو پیشتاب سے بھرے ہوئے کپڑوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ دعائیں جو ایسی حالت میں کی جائیں وہ بھی قبول نہیں ہوتیں۔ بلکہ جب کوئی انسان گندی حالت میں خدا کے حضور پیش ہوتا ہے تو جماعتے فائدہ اٹھانے کے وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ یہی سر ہے کہ صوفیاء نے دعائیں کرنے کا لباس الگ بنار کھا ہوتا ہے جسے خوب صاف سترار کھتے اور خوبصورتیں لگاتے ہیں۔ تو دعا کے قبول ہونے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ دعا کرنے سے پہلے انسان اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا کر لے۔ جو شخص غریب ہے وہ اس طرح کر سکتا ہے کہ ایک الگ جوڑا بنا کر لے۔ اس طرح دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

علیحدہ جگہ اور خاموش وقت کا انتخاب کریں

پھر دعا کی قبولیت کے لئے ایک اور طریق ہے اور وہ یہ کہ دعا کے لئے ایک ایسا وقت اور جگہ انتخاب کرے جہاں خاموشی ہو۔ مثلاً اگر دن کا وقت ہے تو جنگل میں کسی ایسی چلا جائے جہاں سمجھے کہ کوئی میرے خیالات میں خلل انداز نہیں ہو سکے گا۔ یارات کے وقت جبکہ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں دعا کرے۔ اس طرح یہ ہوتا ہے کہ خیالات پر اگنہ نہیں ہونے پاتے۔ جب کسی ایسی جگہ یا ایسے وقت دعا کی جاتی ہے کہ ادھر سے آوازیں آتی رہتی ہیں تو دعا کی طرف خاص توجہ نہیں ہو سکتی۔ اس طرح توجہ کبھی کسی طرف چل جاتی ہے اور کبھی کسی طرف۔ چونکہ انسان کی طبیعت میں تجسس کا مادہ ہے اس لئے ذرا سی آواز آنے پر جھٹ ادھر متوجہ ہو جاتا ہے تا معلوم کرے کہ کیا ہوا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے وہ لوگ جن کو جلوت سے خلوت میسر نہیں آسکتی یا آتی ہے مگر بہت تھوڑی دیر کے لئے وہ ایسے وقت دعا کریں جبکہ خاموشی ہو یا ایسی جگہ کریں جہاں کسی قسم کا شور نہ ہو۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے آپ جنگل میں تھا چلے جایا کرتے تھے۔ اس بات کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے مگر آپ اس راستے سے جو میاں بشیر احمد کے مکان کے پاس سے گزرتا ہے دس بجے کے قریب سیر کو جانے کے علاوہ اکیلے بھی جایا کرتے تھے۔ ایک دن جو آپ جانے لگے تو میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر چلتے واپس لوٹ آئے اور مسکرا کر فرمائے گئے پہلے تم جانا چاہتے ہو تو ہواؤ، میں بعد میں جاؤں گا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ اکیلے جانا چاہتے تھے۔ میں واپس آگیا۔ غرضیکہ علیحدہ جگہ اور خاموش وقت میں خاص توجہ سے دعا کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ توجہ کے لئے کوئی یہ ورنی روک نہیں ہوتی اس لئے طبیعت کا ذرور ایک ہی طرف لگتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کسی گزشتہ خطبہ میں بتایا تھا جب تمام زور ایک طرف لگتا ہے تو اپنے راستے کی ہر ایک روک کو بہا کر لے جاتا ہے۔

اپنے نفس کی کمزوریوں کا مطالعہ کریں

پھر ایک یہ بھی طریق ہے کہ جب کوئی انسان کسی معاملہ کے متعلق دعا کرنے لگے تو پہلے اپنے نفس کی کمزوریوں کا مطالعہ کرے اور اتنا کرے کہ گویا اس کا نفس مر ہی جائے اور اسے اپنے نفس سے کھن آنی شروع ہو جائے اور نفس کہہ اٹھ کے تو بغیر کسی بالادست ہستی کی مدد اور تائید کے خود کسی کام کا نہیں ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ جب نفس کی یہ حالت ہو جائے تو دعا کی جائے ایسی حالت میں جس طرح ایک بے دست و پاپچ کی ماں باپ بخیر گیری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے کی کرتا ہے۔ ماں باپ کو دیکھو جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اسے کہتے ہیں خود کھاؤ پیو۔ مگر دو دھنپیتے بچے کی ہر ایک ضرورت اور احتیاج کا نہیں خود خیال اور فکر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور بھی انسان کو اپنے نفس کو اسی طرح ڈال دینا چاہئے جس طرح دو دھنپیتے باپ کے آگے ہوتا ہے۔ لیکن اگر نفس فرعون ہو اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو تو اس کی کوئی بات قبول نہیں

ہو سکتی۔ اس لئے سب سے پہلے انسان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو بالکل گرادے یہ بندے اور خدا میں تعلق پیدا ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس سے دعا بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات پر نظر کریں

ایک یہی طریق ہے کہ جب انسان دعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنی آنکھوں کے سامنے لے آئے کیونکہ انسان کو خواہش اور امید کام کروایا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے دیکھنے کے لئے سر سے پاؤں تک خوب غور کرے اور دیکھئے کہ اگر میری فلاں چیز نہ ہوتی تو مجھے کس قدر تکیف اور نقصان ہوتا۔ مثلاً اس طرح نفسہ کھینچ کر اگر میرے ہاتھ نہ ہوتے اور کوئی دوست مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتا تو میں کیا کرتا۔ یا پیاس گئی ہوتی تو پانی کس طرح پی سکتا۔ پیشاب کرنا ہوتا تو ازار بند کس طرح کھولتا اور پھر باندھ سکتا۔ غرضیکہ اسی طرح ہر ایک چیز کو دیکھئے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے انعام اور فضل کا ایسا نقشہ کھینچ کر اس کا رواں رُواں خدا کی محبت اور ارفت سے پر ہو جائے۔ اس وقت اس کے دل پر جوش اور شوق سے امید ایک ایسی لہر مارے گی کہ وہ جو دعا کرے گا وہ قبول ہو جائے گی۔ کیونکہ جب وہ دیکھے گا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بغیر مانگے اور سوال کئے اس قدر انعامات دے رکھے ہیں تو مانگنے سے کیوں نہ دے گا۔ جب اس کو یہیقین ہو جائے تو جو مانگے گا وہ مل جائے گا۔

اللہ کے غصب سے ڈریں

ایک طریق یہ بھی ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کے انعامات کو نظر کے سامنے لانا چاہئے اسی طرح اس کے غصب کو سامنے لایا جائے۔ اور جس طرح یہ سوچا تھا کہ اگر میرا فلاں عضو نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ اسی طرح یہ سوچ کہ یہ انعام جو مجھے دئے گئے ہیں یہ چھین لئے جائیں تو پھر کیا ہو؟۔ اور یہ بھی دیکھئے کہ بہت سے لوگ تھے جن پر میری طرح ہی خدا تعالیٰ کے انعام تھے مگر ان سے چھین لئے گئے۔ اس بات کے لئے تباہ شدہ گھر اور ہلاک شدہ بتیاں یا اپنے جسم کا ہی کوئی تباہ شدہ حصہ کافی سبق دے سکتا ہے۔ وہ اسے دیکھئے اور پھر دعا کرے۔ یہ دعا خوف اور طمع کی دعا ہوگی جس کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے۔ ایک طرف اس کے خوف ہو گا اور دوسری طرف طمع۔ یہ دو یواریں ہو گئی جو اسے دنیا سے کاٹ کر اللہ کی طرف مائل کر دیں گی اور اس طرح اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

اپنی حالت کو پُختہ بنائیں

پھر جب کوئی شخص دعا کرنے لگے تو اپنی حالت کو چست بنائے کیونکہ جس طرح نفس مردہ ہو تو اس کا اثر نفس پر پڑتا ہے۔ جب کوئی سنتی کی حالت اختیار کرتا ہے تو اس کے نفس پر بھی سنتی چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ جتنی حالتیں رکھی گئی ہیں وہ سب چستی کی رکھی ہیں۔ تو جسم کی سنتی کا اثر روح پر اور خیالات پر ہوتا ہے۔ اس لئے دعا کرنے کے وقت انسان کو چستی کی حالت میں ہونا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ سجدہ میں جائے تو کہنیاں زمین پر گردے۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا شوق لگا رہتا ہے کہ میں شریعت کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم میں بھی معلوم کروں کہ کیا حکمت ہے۔ اس وجہ سے میں نے اس بات پر غور کرنے کے لئے کہ کیوں حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت کہنیاں زمین پر نہ گرامی جائیں نوافل میں کہنیاں گرا کر دیکھا ہے اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر پہلے بڑے زور سے دعا ہو رہی ہو تو اس طرح کرنے سے رک گئی ہے اور جب کہنیاں اٹھائی ہیں تو پھر وہی حالت پیدا ہو گئی ہے جو پہلے تھی۔ تو دعا کرتے وقت چستی ہوئی چاہئے اور وہ چستی جو امید کی چستی ہوتی ہے نہ کوئی اور۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان سے دعا زیادہ عمرگی سے نکلتی ہے اور مختلف پیرا یوں میں دعا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

دعاوں میں تدریج اختیار کریں

پھر ایک طریق یہ بھی ہے کہ جب کسی اہم امر کے متعلق دعا کرنے لگو تو اس سے پہلے چند اور دعا نئیں کرو اور پھر اصل دعا کرو۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے یہ بات رکھی ہے کہ اس کا ہر ایک کام آہنگی سے شروع ہوتا ہے اور جب وہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر ترقی کرتا جاتا ہے۔ گویا اس کے کاموں میں تیزی آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہے نہ کہ لیکھت۔ اس لئے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی مقصد کے لئے دعا کرتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد کامیابی نہ دیکھ کرنے سے رہ جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ جلدی دعا قبول ہو جائے حالانکہ وہ جلدی نہیں ہونے والی ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ کسی اہم معاملہ کے متعلق دعا کرنے سے پہلے اور دعا نئیں کی جائیں۔ جب ان کی وجہ سے ان میں تیزی اور چستی پیدا ہو جائے گی اور اس کے خیالات بلند ہو جائیں گے اس وقت اپنے خاص مقصد کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دے۔

پہلے ایسی دعا نئیں مانگیں جنہیں خدا تعالیٰ ضرور قبول کر لیتا ہے

اس کے لئے ایک اور بہتر طریق یہ بھی ہے کہ انسان پہلے ایسی دعا نئیں مانگے جنہیں خدا تعالیٰ ضرور قبول کر لیتا ہے۔ دفاتر میں جو ہوشیار گلرک ہوتے ہیں وہ اسی طرح

کیا کرتے ہیں کہ اگر ان کا منشاء ہو کہ ہمارا افسر فلاں درخواست کو نامنظور کرے تو اس کے سامنے چار پانچ ایسی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں جن کے متعلق انہیں پورا یقین ہو کہ نامنظور کی جائیں گی۔ جب افسران کو نامنظور کرچکتا ہے اور خاص طور پر برا فروختہ ہوتا ہے تو نامنظور کرنا وہی کو پیش کر دیتے ہیں اس طرح وہ بھی نامنظور ہو جاتی ہے۔ اور جب کسی درخواست کے متعلق ان کا یہ منشاء ہو کہ نامنظور ہو جائے تو پہلے ان امور کو پیش کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ نامنظور ہو جاتی ہے اس طرح کام کرنے والے اور ہوشیار لکر کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی نکتہ نواز ہے۔ افسر کسی تو جان بوجھ کر بھی کسی نامنظور کرنے والی درخواست کو نامنظور کر لیتا ہے کہ اس نے چونکہ ہمیں خوش کیا ہے اس لئے ہم بھی اس کو خوش کر دیں۔ لیکن کبھی وہ نادانی سے ایسا کریٹھتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان ہی ایسی ہے کہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں لگ سکتا۔ اس لئے وہ خوش ہی ہو کر بات قبول کرتا ہے۔ پس کسی خاص معاملہ کے قبول کرانے کے لئے پہلے ایسی دعائیں کرنی چاہیں جن کو خدا تعالیٰ نے قبول ہی کر لینا ہو۔ مثلاً یہ کہ الہی! دین اسلام کی بڑے زور شور سے اشاعت ہو، تیرا جلال اور قدرت ظاہر ہو، تیرے انبیاء کی عزت اور تو قیر بڑھے۔ خدا تعالیٰ کہے گا ایسا ہی ہو۔ اس طرح دعائیں کرتے کرتے اپنا متصدی بھی پیش کر دیں کہ الہی یہ بات بھی ہو جائے۔ تو دعا قبول کرانے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔ اس طرح کرنے سے تیزی اور چستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے دعائیت عمدگی اور خوبی سے کی جاسکتی ہے اور دوسرا سے خدا تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے اور جب اس کے خوش ہونے کی حالت میں دعا پیش کی جائے گی تو وہ ضرر قبول ہو جائے گی۔

جگہ کا بھی قبولیت دعا سے خاص تعلق ہوتا ہے

ایک طریق یہ ہے کہ ایسی جگہ دعائی جائے جو با برکت ہو کیونکہ جگہ کا بھی قبولیت دعا سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی کسی چیز کا کوئی اثر اور کوئی حرکت ایسی نہیں ہوتی جو ضائع جاتی ہو بلکہ ہر ایک چیز کی خفیہ سے خفیہ حرکت بھی قائم اور محفوظ رہتی ہے۔ پس جب کسی اچھی چیز سے انسان کا تعلق ہوتا ہے تو اس اثر اس پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ مدینہ اور مسجد القصی میں نماز پڑھنے کا کسی اور جگہ پڑھنے سے بہت زیادہ درجہ بتایا ہے۔ کیا وہاں کے پتھر اور گارا کوئی خاص قسم کے ہیں۔ نہیں، بلکہ جگہیں برکت والی ہیں۔ اور جو ان میں نماز پڑھتا ہے اس پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انسان سے برکت چلی جاتی ہے۔ قومیں بے برکت ہو جاتی ہیں کیونکہ یہاں پر اپنی نادانی اور بے دوقوفی سے اس دُرّ بے بہا کو کھو دیتی ہیں۔ مگر بے جان اشیاء میں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت ڈالی جاتی ہے وہ بھی نہیں جاسکتی اور ہمیشہ کے لئے رہتی ہے (سوائے نہایت خاص وجوہ کے یا خطرناک بد اعمالی کے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغِيْرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغِيْرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ“ (الرعد: ۱۲) کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم پر احسان اور فضل کرتا ہے تو اس وقت تک اس میں تغیر نہیں کرتا اور اسے نہیں ہٹاتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں تغیر نہ پیدا کرے۔ تو انسان اپنی بد اعمالیوں اور بد افعالیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے فضل کو اپنے اوپر سے بند کر لیتا ہے لیکن ایک بے جان چیز ایسا نہیں کر سکتی اس لئے اس پر ہمیشہ کے لئے فضل قائم رہتا ہے۔ دیکھو مذینہ کے لوگ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں کہ جس طرح وہاں کے لوگوں کی دعائیں آنحضرت ﷺ کے وقت پوری ہوتی تھیں اس طرح آج ان کی نہیں ہوتیں۔ مکہ کے رہنے والوں کی بھی یہی حالت ہے۔ وہاں آج بھی دعائیں قبول ہونے کا ویسا ہی اثر ہے جیسا کہ پہلے تھا کیونکہ وہاں کی ایٹھیں گارا اور زمین نہیں بگڑی بلکہ آدمی بگڑ گئے ہیں۔ تو جن بھروسوں پر خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو جاتا ہے وہ پھر کبھی نہیں رکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خزانہ ایسا وسیع ہے کہ جس کے خالی ہونے کا کبھی خیال بھی نہیں آ سکتا۔ جن مقامات پر خدا تعالیٰ نے فضل کر دیا ہے پھر ان سے کبھی منفصل نہیں ہوتا۔ اس لئے خاص مقامات میں دعا خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ جب دعا کرنے لگے تو ایسے ہی مقام کو چن کر کرے۔ حضرت خلیفۃ المسکن اول رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک مصلیٰ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی اس مصلیٰ پر بیٹھ کر دعا کرتا ہوں۔ خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ تو خاص اشیاء میں خاص برکت کی وجہ سے خاص ہی اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے اور صحابہؓ کرام نے اس پر عمل کیا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک خاص جگہ متعین کر دیتے تھے۔ جہاں سوائے عبادت کے اور کام نہیں کئے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیت اللہ عا بنیا ہوا تھا تو یہ بھی دعا کے قبول ہونے کا ایک طریق ہے۔

یہ بہت سے طریق میں نے آپ لوگوں کو بتائے ہیں۔ دری ہو گئی ہے ورنہ میں ابھی اور بھی کوئی ایک طریق بتا سکتا تھا۔ یہ بتیں گو بظاہر چھوٹی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں مگر دراصل چھوٹی نہیں ان کو استعمال کر کے دیکھو تو پتہ لگے کہ ان سے کتنے کتنے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ جس طرح ایک ذرا سی کشش بدنخٹ سے غوبصورت خط بنا دیتی ہے اسی طرح یہ بتیں دعا کو قبولیت کے درجہ پر پہنچا دیتی ہیں۔

اس زمانہ میں ہمارے لئے بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ قسم قسم کے مخالف پیدا ہو گئے ہیں اور قسم قسم کے اعتراض اسلام پر کئے جاتے ہیں ان کے دفعیہ کے لئے ہمیں بہت کوشش اور بہت کی ضرورت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کون ساطریق کامیابی کا ہو سکتا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور عرض کریں کہ آپ ہی ہماری مدد کیجئے۔ پس آپ لوگ اپنے اعتقاد، اپنے اعمال میں خاص اصلاح کر لیں تا تمہارا کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جا گنا غرضیکہ ہر سکون اور ہر حرکت اسی کے لئے ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ

نے فرمایا ہے خطبہ میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس وقت کی ہوئی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ سے مغرب تک ایسا ہی وقت آتا ہے۔ پھر رمضان کے آخری عشرہ میں بھی ایسا موقعہ آتا ہے۔ خدا کے فضل سے آپ لوگوں کو یہ سب موقعے نصیب ہیں۔ اس لئے خوب دعائیں کرو تا خدا تعالیٰ اس مبارک مہینہ کے طفیل اور اس بارکت پیغام کے طفیل جو تم دنیا کو پہنچانا چاہتے ہو تو ہمارے راستے سے سب روکیں دور کر دے اور تمہیں اس کام کا پورا پورا اہل بنائے جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ (آمین)

(الفضل ۸، اگست ۱۹۹۱ء۔ بحوالہ خطبات محمود جلد ۵)

(مطبوعہ الفضل انٹریشنل ۲۲ جنوری ۱۹۹۹ء تا ۲۸ جنوری ۱۹۹۹ء)